خواتین پر گھریلو تشدد کا صوبائی بل

عبداللطیف خان گنڈاپور ○

۱۱ فروری ۲۰۱۹ء کو صوبہ خیبر پختونخوا کی صوبائی حکومت نے 'گھریلو تشدد' سے عورتوں کے تحفظ کے لیے ایک قانون پیش کیا ہے۔ ہم اس پر کلام کرنے سے پہلے چند بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتے ہیں:

مغربی تہذیب و تمدن اور معاشرت تین بنیادوں پر استوار ہوئی: ● عورتوں اور مردوں کی مساوات ● عورتوں کی معاشی خودمختاری ● مرد اور عورت دونوں کا آزادانہ اختلاط۔

ان تین بنیادوں پر معاشرت کی تعمیر سے بڑے ہولناک نتائج برآمد ہوئے۔

۱- مساوات کے معنی یہ سمجھ لیے گئے کہ عورت اور مرد نہ صرف اخلاقی مرتبہ اور انسانی حقوق میں مساوی ہوں، بلکہ تمدنی زندگی میں عورت بھی وہی کام کرے جو مرد کرتے ہیں۔ مساوات کے اس غلط تخیل نے عورت کو اُس کے فطری وظائف سے غافل اور منحرف کر دیا ہے۔ اَزدواجی زندگی کی ذمہ داریاں، بچوں کی تربیت، خاندان کی خدمت، گھر کی تنظیم، ساری چیزیں نہ صرف عورت کے لائحہ عمل سے خارج ہو کر رہ گئیں، بلکہ ذہنی طور پر وہ اپنے اصلی فطری مشاغل سے متنفر ہو رہی ہے۔ خاندان کا نظام، جو تمدن کا سنگِ بنیاد ہے، بُری طرح منتشر ہو رہا ہے۔ گھر کی زندگی عملاً ختم ہو رہی ہے۔

۲- عورت کی معاشی خودمختاری نے اُس کو مرد کی رفاقت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اب نیا قاعدہ یہ ہو گیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کمائیں اور گھر کا انتظام کسی اور کے سپرد کر دیں۔

○ ایڈوائزر، تربیۃ، پشاور میڈیکل کالج، پشاور

اس تبدیلی کے بعد دونوں کی زندگی میں بجز ایک شہوانی تعلق کے اور کوئی ربط ایسا باقی نہ رہا، جو اُن کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور کرتا ہو۔ اس لیے ایک ادنیٰ سا اختلاف بسا اوقات ایک دوسرے سے جدا کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔

۳- مردوں اور عورتوں کے آزادانہ اختلاط اور ایک دوسرے کے لیے پُرکشش بننے کی دوڑ نے عورتوں میں حسن کی نمایش، عریانی اور فواحش کو غیر معمولی ترقی دی ہے۔ صنفِ مخالف کے لیے مقناطیس بننے کی یہ خواہش بڑھ کر برہنگی کی حد تک پہنچ چکی ہے۔

صالح تمدن کے اصول

اس منظرنامے میں اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو اس صنفی انتشار اور مغربی تمدن کے ان اخلاقی فساد پر مبنی تصورات و نظریات کا سدِ باب کر کے اس مسئلے کا ایسا عملی حل پیش کرتا ہے کہ جو ایک صالح اور متمدن معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔

اسلام اپنے معاشرتی نظام میں خاندانی نظام کو انتہائی اہمیت دیتا ہے، اور اُسے خوش گوار گھریلو زندگی کے لیے لازم سمجھتا ہے۔ ایک صالح تمدن کے لیے جو چیز ضروری ہے وہ یہ ہے کہ نظامِ معاشرت میں عورت اور مرد کے تعلق کی صحیح نوعیت متعین کی جائے۔ اُن کے حقوق ٹھیک ٹھیک عدل کے ساتھ مقرر کیے جائیں۔ اُن کے درمیان ذمہ داریاں پوری مناسبت کے ساتھ تقسیم کی جائیں اور خاندان میں ان کے مراتب اور وظائف، اعتدال اور توازن میں فرق نہ آنے پائے۔

عورت جو کہ ایک مدتِ دراز تک بچے کی پرورش، نگہداشت اور تربیت پر اپنی تمام توجہ مرکوز کرتی ہے، اس میں رات کی نیند اور دن کا سکون اور آسایش حرام ہوتی ہے، اور وہ اپنی راحت، اپنے لطف، اپنی خوشی، اپنی خواہشات، غرض ہر چیز کو آنے والی نسل پر قربان کر دیتی ہے، تو کیا عدل یہی ہے کہ عورت سے ان فطری ذمہ داریوں کی بجا آوری کا بھی مطالبہ کیا جائے جن میں مرد اس کا شریک نہیں ہے۔ یہ عدل نہیں ظلم ہے۔ مساوات نہیں صریح نامساوات ہے۔

عورت کو مردانہ کاموں کے لیے تیار کرنا وضعِ فطرت کے خلاف ہے اور یہ چیز نہ انسانیت کے لیے مفید ہے، نہ خود عورت کے لیے۔ سورۂ نساء میں فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ط (۴:۱۱۹) کے الفاظ میں خدائی ساخت میں جس ردوبدل کو شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے، یہ اسی طرف اشارہ ہے۔

قدرتِ حق نے عورت کے سپرد بنیادی وظیفۂ حیات یہی کیا ہے کہ وہ بچے کی پیدایش اور پرورش کے لیے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروے کار لائے۔ اس لیے نفسیات کے دائرے میں بھی اُس کے اندر وہی صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں جو اس کے فطری وظیفے کے لیے موزوں ہیں، یعنی محبت، ہمدردی، شفقت، رقتِ قلب اور زکاوتِ حس۔

اسلام چاہتا ہے کہ عورت کو اس کے صحیح مقام پر رکھ کر اُسے معاشرے میں عزت کا مرتبہ دے۔ اُس کے جائز تمدنی اور معاشی حقوق کو تسلیم کرے۔ اُس پر صرف گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالے اور بیرونِ خانہ کی ذمہ داریاں اور خاندان کی قوامیت (سربراہی) مرد کے سپرد کرے۔ اس لیے اسلام جہاں انسانی حقوق میں مرد وزن کی مساوات کا قائل ہے اور اعمال صالحہ اور نیکی و بدی میں دونوں کی کمائی کو یکساں اہمیت دیتا ہے، وہاں جسمانی ساخت اور بناوٹ کو مدنظر رکھتے ہوئے ذمہ داریوں کے تعین اور خاندان جیسے اہم ادارے کے تحفظ اور بقاے نسل کی خاطر مرد کو خاندان کے سربراہ کی حیثیت دیتا ہے۔

دوسرے یہ کہ اسلام نے عورت کو معاشی بوجھ سے مکمل طور پر آزاد کیا ہے، تاکہ وہ اپنی بنیادی ذمہ داریوں کی طرف خصوصی توجہ دے سکے اور نان ونفقہ کا انتظام اور ذمہ داری مرد کے حوالے کردی ہے۔ اور اس بنا پر اُس کا عورت کے برعکس دائرہ کار اور رول متعین کیا ہے۔

تیسری بنیاد مرد وزن کے آزادانہ اختلاط کے بجاے دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار متعین کیا ہے۔ اور جہاں ان دونوں کا معاشرتی امور یا دیگر اُمور میں ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے، ان پر ایسی قدغنیں لگائیں، جن کی موجودگی میں معاشرہ آوارگی اور صنفی انتشار کا شکار نہیں ہوتا۔

ان قدغنوں کے علاوہ معاشرے کو جنسی تشدد اور صنفی آوارگی جیسے امراض سے بچانے کے لیے نکاح کی ترغیب دی ہے۔ نکاح عورت کو محصنہ بنا دیتا ہے، یعنی وہ اپنے اردگرد تحفظ کا حصار بنالیتی ہے۔ اور مرد کے ساتھ نکاح کے رشتے کے بعد وہ اس حفاظتی حصار میں آجاتی ہے۔ [1]

اسلام اسی خاندانی ادارے کو ہر صورت برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اور اسی لیے میاں بیوی کے جھگڑوں اور باہمی اختلافات میں اصلاح اور صلح صفائی کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اس کے لیے

---

[1] سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ، لاہور، ۱۹۶۸ء

ایسی حکمت عملی اپناتا ہے کہ جس سے بتدریج دونوں کو احساس ذمہ داری اور احساس زیاں یاد رہتا ہے، جس میں برداشت وصبر، وعظ ونصیحت، خواب گاہوں میں وقتی جدائی اور پھر بھی اگر نافرمانی اور سرکشی کی روش برقرار ہو تو علامتی (symbolic) سرزنش شامل ہیں۔

اسلام کی رُو سے میاں بیوی کا رشتہ محبت، رحمت اور مودت کا ہے۔ یہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہیں۔ ان کے درمیان باقاعدہ عہد و پیمان ہے۔ ایک دوسرے کا لباس ہیں، یعنی لازم وملزوم ہیں اور ایک دوسرے کے عیب ڈھانکتے ہیں۔ اور اُن کا رویہ یہ نہیں ہوتا کہ کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اُس پر لعنت ملامت کریں اور اگر بس چلے تو اُسے سرِ بازار رُسوا کردیں۔ آج کل کی طرح نہیں کہ باقاعدہ "Me Too" کے ویب پیج پر خواتین مزے لے لے کر اپنے ساتھ جنسی ہراسانی کے قصے، شہرت کی خاطر بڑھا چڑھا کر بیان کرتی ہیں۔

مجوزہ بل: کچھ تجاویز و ترامیم

پیش نظر مجوزہ بل کا اردو مسودہ ہے، جو خیبرپختونخوا صوبائی اسمبلی میں پیش کیا گیا ہے۔ اس بل کے بارے میں مجموعی طور پر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ خواتین کو مردوں کے مقابلے میں لاکھڑا کیا گیا ہے۔ ایک ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جیسے مردوں سے برائی کے سوا کسی بھی اچھے کام کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اور یہ سب کچھ بیرونی امداد پر چلنے والی NGOs کی رہنمائی میں کیا جاتا ہے۔

اس بل میں عورت کی بطور ماں، بیوی، بہن اور بیٹی اور مرد کے بطور باپ، بھائی اور بیٹے کی کسی حیثیت کا تذکرہ نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ عورت کو خاندان کے بجائے این جی اوز کی سرپرستی میں دے دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اپنا خاندان کسی عورت کا زیادہ محافظ بن سکتا ہے، یا سول سوسائٹی کے مرد، خواتین عورت کا تحفظ کریں گے؟ اگرچہ ہم اس بل کے مندرجات سے مطمئن نہیں ہیں لیکن چونکہ یہ بل اب پیش کیا جا چکا ہے، تو ہماری خواہش ہے کہ چند اہم ترامیم پیش کر کے اس کو بہتر بنایا جائے۔ ذیل میں مجوزہ ترامیم پیش کی جاتی ہیں:

● **ابتدائیہ:** اس میں نہ تو آئین اسلامی جمہوریہ پاکستان کے کسی آرٹیکل کا خصوصی حوالہ دیا گیا ہے اور نہ قرآن وسنت پر مبنی کسی آیت یا حدیث کا۔ حالانکہ پاکستان ایک اسلامی جمہوری مملکت ہے اور چاہیے تھا کہ مجوزہ بل میں یہ رہنمائی درج ہوتی۔ ہماری تجویز ہے کہ بل کا

آغاز اس طرح کیا جائے:

- آرٹیکل ۲ (الف): چونکہ اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات کا بلا شرکت غیرے حاکم مطلق (sovereign) ہے، اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار و اقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس امانت ہے۔
- آرٹیکل ۳۱ (الف): پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انھیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے، جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔
- آرٹیکل ۱۴ (الف): شرفِ انسانی اور قانون کے تابع گھر کی خلوت قابلِ حرمت ہوگی۔
- آرٹیکل ۳۵: مملکت شادی، خاندان، ماں اور بچے کا تحفظ کرے گی۔
- آرٹیکل ۳۷ (ھ): بچوں اور عورتوں سے ایسے پیشوں میں کام نہ لیا جائے جو اُن کی عمر اور جنس کے لیے نامناسب ہوں۔

بل میں دیے گئے ابتدائیے کی دفعہ ۳ کے دوسرے پیراگراف کے بجاے یہ الفاظ لکھے جائیں: ''ہرگاہ یہ ضروری ہے کہ خواتین کو گھریلو تشدد، یعنی جسمانی اور معاشی تشدد سے تحفظ فراہم کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں''۔

پورے بل میں 'بچے' کی تشریح (definition) نہیں کی گئی۔ اسلام کی رُو سے جرم کے سزاوار اور نکاح وشادی کے لیے لڑکا/لڑکی کی بلوغت کی شرط رکھی گئی ہے۔ لہٰذا، ضروری ہے کہ یہاں چونکہ معاملہ جسمانی تشدد کا ہے تو اس پر عمل کیا جائے۔

کئی امریکی ریاستوں میں 'سزاواریت جرم' (Criminal Liability) کے لیے عمر آٹھ سے ۱۵ سال تک پائی جاتی ہے، مثلاً ایڈاہو میں ۱۴ سال، جارجیا میں ۱۲ سال، نیویڈا میں ۸ سال ہے۔

آج کل انٹرنیٹ اور لٹریچر نے بچوں کو بہت تھوڑی عمر میں 'بالغ' بنا دیا ہے۔ لہٰذا، کسی صورت بھی اس عمر کی حد کو نہ بڑھایا جائے، ورنہ بداخلاقی معاشرے میں اور زیادہ نفوذ کر جائے گی۔ فقہ حنفی کے مطابق یہ عمر زیادہ سے زیادہ ۱۵ سال ہوسکتی ہے۔ لیکن اگر کسی میں ڈاکٹری معائنے کے مطابق اس عمر سے کم میں بھی آثار نمودار ہوجائیں، تو وہ اس ایکٹ کے تحت بلوغت کی عمر تصور کی جائے گی۔

یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ 'ابتدائیے' میں اتنی زیادہ تفصیل نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن یہ اعتراض اس لحاظ سے قابلِ توجہ نہیں کیونکہ 'ابتدائیہ' دراصل اس سارے ایکٹ کے بارے میں حکومت کا مؤقف، اُس کا وژن، اٹھائے جانے والے اقدامات کا خلاصہ اور اپنے اہداف کے حصول کے طریقۂ کار (strategy) کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر یہ مبہم رہنے دیا جائے تو حکومت کی سنجیدگی اور خلوص پر سوال پیدا ہوتا ہے۔

بل کا نام: سیکشن: ۱، شق ۱: اس بل کا نام Domestic Violence against Women (Prevention & Protection) رکھا گیا ہے۔ یہ نام بذاتِ خود تعصب (prejudice) پر مبنی ہے کیونکہ violence یا تشدد کے بارے میں پہلے سے ہی فرض کیا گیا ہے کہ ''یہ ہمیشہ مرد کی جانب سے خاتون کے ساتھ کیا جاتا ہے''۔ حالانکہ یہ دونوں جانب سے ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس کا نام 'صنفی سطح پر تشدد' (Gender Based Violence) ہونا چاہیے۔

عالمی تنظیم صحت نے اپنی رپورٹ Violence Against Women ۱۹۹۶ء میں گھریلو تشدد رپورٹ کو gender based violence (صنفی سطح کا تشدد) ہی قرار دیا ہے۔

بل کے نام میں خواتین کے ساتھ لفظ 'بچوں' (children) کا اندراج ہونا چاہیے، کیونکہ ابتدائیے میں بچوں کے تحفظ کا بھی ذکر ہے۔

- سیکشن ۲ شق i (ل): اس میں سہولت کار (service provider) کو بالکل ہی خذف کر دیا جائے۔ کیونکہ متاثرہ فرد کے لیے اُس کا خاندان ہی سب سے اہم ادارہ ہے، جو اُس کی دیکھ بھال کرے گا، اور متاثرہ (victim) خاندان کے اندر اپنے آپ کو محفوظ تصور کرے گا۔ لیکن اگر یہ ترمیم قبول نہیں کی جاتی تو پھر سہولت کاری صرف شفاف سرکاری انتظام میں ہونی چاہیے۔ کسی رضا کار فرم یا این جی او کو یہ ذمہ داری نہ دی جائے کیونکہ ایک تو اُن پر کوئی خاص کنٹرول نہیں ہوتا۔ دوسرے وہ یہ کام عطیہ دینے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ اُن کے اعتبار (credentials) کو عوام اور عوامی نمایندگان نہیں جانتے۔
- سیکشن ۲ شق ا (م): ''متاثرہ سے وہ خاتون جس پر گھریلو تشدد کیا گیا ہو مراد ہے''۔ ہماری ترمیم کے مطابق یہ متاثرہ شخصیت کوئی بھی ہوسکتی ہے۔ بچوں کو خواہ وہ لڑکی ہو یا لڑکا اس متاثرہ

کی تعریف میں شامل کرلیں۔

● سیکشن ۲ شق ۱ (ن): تشدد کی تعریف یوں کی جائے: ''تشدد جسمانی نقصان رسانی یا معاشی ہوسکتا ہے''۔ اور باقی وضاحت حذف کر دی جائے، کیونکہ وہ مبہم اصطلاحات ہیں اور اُن کی کثیر وجوہ ہوسکتی ہیں۔

● سیکشن ۴ شق ۱: ضلعی تحفظ کمیٹی کو تقریباً مکمل طور پر بیوروکریٹس کے حوالے کر دیا گیا ہے حالانکہ اس کمیٹی کا چیر پرسن ڈپٹی کمشنر کے بجاے منتخب ضلع ناظم ہونا چاہیے تھا، لیکن اس حکومت نے اپنے ہی بلدیاتی ایکٹ میں ترمیم کر کے یہ اہم عہدہ ختم کر دیا ہے تاکہ ضلع میں بیوروکریسی مضبوط ہو۔ ہماری ترمیم درج ذیل ہے:

'ضلع تحفظ کمیٹی' کے تمام ممبران میں انتخاب سے سادہ اکثریت سے جیتنے والے ممبر کو چیئرپرسن بنایا جائے۔ ڈپٹی کمشنر کی حیثیت عام ممبر کی ہو اور وہ گورنمنٹ کے نمایندے کی حیثیت سے چیئرپرسن کی پوری معاونت کرنے کا پابند ہو۔

موجودہ ممبران میں مزید اضافہ کر کے مندرجہ ذیل کو ممبر بنایا جائے: شہر کا ناظم/میئر، ڈسٹرکٹ ایجوکیشن افسر، مستند اور باکردار عالم ترجیحی طور پر ڈسٹرکٹ خطیب۔

سول سوسائٹی سے ممبران لینے کی کوئی ضرورت نہیں اور اس شق (ف) کو حذف کیا جائے۔ اس کے بجاے متاثرہ فریقین کے خاندانوں سے، جن کے مقدمات کے بارے میں 'ضلع تحفظ کمیٹی' میں جس دن بحث ہو، ایک ایک نمایندہ اور اُسی متعلقہ علاقے کا مقامی ناظم بطور غیر سرکاری ممبر صرف اسی اجلاس کے لیے مقرر کیا جائے۔

'ضلع کمیٹی براے تحفظ خواتین' کی چیئرپرسن سیکرٹری کے بجاے صرف عام ممبر ہوگی۔ اور ضلعی تحفظ کمیٹی کے سیکرٹری کا انتخاب کمیٹی کے پہلے اجلاس میں موجود ارکان کی سادہ اکثریت سے ہوگا۔

اسی کی ذیلی دفعہ ۴ میں کسی ممبر کو ہٹانے کا اختیار حکومت کے بجاے عدالت کو دیا جائے۔

● سیکشن ۵ شق ۴: ضلعی تحفظ کمیٹی کے اجلاس کا کورم ۶ کے بجاے ۹ ہو، تاکہ تمام ارکان میٹنگ کو سنجیدگی سے لیں اور اپنی حاضری یقینی بنائیں۔ ہر اجلاس میں منتخب چیئرپرسن، شہر کا ناظم/میئر اور عالم کی موجودگی لازمی ہوگی، ورنہ کورم پورا تصور نہیں کیا جائے گا۔

● سیکشن ۵ میں شق ۶ کا اضافہ درج ذیل عبارت سے کیا جائے: ''کسی ممبر کی تین بار مسلسل اجلاس سے غیر حاضری پر اُس سے وضاحت طلب کی جائے گی''۔

● سیکشن ۸ اور سیکشن ۹: ضلعی تحفظ کمیٹی کے سیکرٹری اور سہولیات فراہم کرنے والے ادارے کے بعض فرائض اور ذمہ داریاں مشترک اور ایک دوسرے کے ساتھ گڈمڈ ہیں، یعنی ایک ہی کام دو ادارے کر رہے ہیں، مثلاً: دونوں کا متاثرہ خاتون کا طبی معائنہ، محفوظ رہایش گاہ کا بندوبست، مالی امداد کے لیے کوشش وغیرہ کرنا۔

سیکشن ۸ کے تحت ایک اضافی شق کا اضافہ کیا جائے۔

''ضلعی تحفظ کمیٹی متاثرہ فرد کو پناہ گاہ فراہم کرنے سے پہلے اپنے خاندان کے حوالے کرنے کی تجویز خاندان کے سرپرست/نمایندہ کی رضامندی سے دینے کی پابند ہوگی۔ اور متاثرہ کی رضامندی کی صورت میں خاندان کے حوالے کر دیا جائے گا''۔

● سیکشن ۱۰ شق (ر): حکومت اس سیکشن کے تحت مزید درج ذیل اقدامات کو یقینی بنائے:

۱- عام لوگوں کو مذہبی اور اخلاقی اقدار سے آگہی اور تعلیم دی جائے۔

۲- پرائمری سے یونی ورسٹی تک اخلاقیات اور عقائد کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

۳- حکومت بچوں/بچیوں کی بلوغت کے بعد شادی و نکاح کے راستے کی رکاوٹیں دور کرے اور جہاں مالی اعانت کی ضرورت ہو، اس سے دریغ نہ کیا جائے۔

۴- عیاشانہ اور پُرتکلف طرزِ زندگی کی حوصلہ شکنی کرے۔ جہیز اور ایسی دوسری رسموں سے معاشرے کو چھٹکارا دلانے کے لیے ضروری قانون سازی کرے۔

۵- سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ کو فحاشی کے انسداد کے لیے ضابطہ سازی کرے اور ہیجان انگیز، فحش جنسی مواد کو بلاک کرے۔

۶- فلموں اور ڈراموں میں فحش کردار ادا کرنے والے آرٹسٹوں کی حوصلہ شکنی کرے۔ آرٹ اور فن کے نام پر ان کو قومی ایوارڈز دینے کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

۷- حکومت دستور کے آرٹیکل ۳۵ کے تحت پابند ہے کہ وہ خاندان کے ادارے کا تحفظ یقینی بنائے، لہٰذا دوسرے اقدامات کے علاوہ زوجین کے باہمی اختلافات کو فریقین کے خاندانوں

کے سرپرستوں کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کرے۔

۸- نوجوانی کی عمر میں انسانی جذبات کا اگر مثبت رُخ اور direction متعین نہ کی گئی تو یہ ہیجان انگیزی معاشرے کے لیے بہت نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا، اسکولوں، کالجوں اور یونی ورسٹیوں میں مخلوط تعلیم کے بجاے جداگانہ تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

افسوس کہ مغربی تہذیب کے زیر اثر طبقات نام نہاد ترقی کے حصول کے لیے شادیوں میں تاخیر کی راہ پر چلتے ہیں، لیکن اسلام نے بلوغت کے ساتھ ہی نکاح کی ترغیب دی ہے۔ اب یہ امر سب پر بالکل واضح ہے کہ بڑی عمر کی شادی کے نتائج، اولاد کا نہ ہونا یا اولاد کی ذہنی معذوری کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

۹- اُن تمام وجوہ کے سدباب کے لیے اقدامات کرنا: جو تشدد پر مبنی رویوں کا باعث بنتے ہیں، مثلاً بانجھ پن، ڈیپریشن اور نفسیاتی الجھنیں، بڑی عمر کی شادیاں، صنفی اور نسلی تفاخر اور ذات پات اور برادری کی بنا پر تحقیر آمیز رویے وغیرہ۔

- سیکشن ۱۱ کے تحت عدالت معاملے کی چھان بین اور معاملے کی حساسیت کے پیش نظر یہ تفتیش لازماً پولیس کے ایسے افسر سے کرائے جو رینک میں ڈی ایس پی سے کم نہ ہو۔
- سیکشن ۱۲: اس کی عبارت درج ذیل سے تبدیل کی جائے:

> عدالت مقدمے کی نوعیت کے پیش نظر اس ایکٹ کے ابتدائیے کی رہنمائی کے تحت اہداف کے حصول کی خاطر آخری حکم یا فیصلہ کرنے سے پہلے فریقین (متاثرہ اور ملزم) کے بارے میں کوئی بھی ایسا عبوری حکم جاری کر سکتی ہے جو وہ مناسب سمجھے۔

- سیکشن ۱۳، ۱۴ اور ۱۵: میں عبوری حکم کی آڑ میں بعض ایسے اُمور میں کمک (relief) لینے کی کوشش کی گئی ہے، جو سراسر میراث یا دوسرے سول معاملات ہیں۔ اور جن کے لیے باقاعدہ قوانین موجود ہیں۔ لہٰذا، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عدالت کو بااختیار بنا کر یہ معاملات اُس کی صواب دید پر چھوڑ دیے جائیں، تاکہ وہ قانون کی روشنی میں مناسب فیصلہ دے سکے۔ یہ تمام شقیں حذف کی جائیں اور عدالت کو مکمل طور پر بااختیار بنایا جائے۔

ان تمام شقوں کے بجاے سیکشن ۱۳ میں یہ عبارات لکھ دی جائیں: سیکشن ۱۳۔ عدالت کو

اگر تشدد کا وقوع پذیر ہونے کا یقین ہو جائے، تو وہ سیکشن ۱۲ کے تحت جاری کردہ احکامات کے علاوہ ملزم کو متاثرہ فریق کی رضامندی کے ساتھ اس بات کا پابند بنائے کہ وہ متاثرہ فریق کو انتہائی ناگہانی صورت حال کے بغیر جس کی وہ باقاعدہ اطلاع ضلعی حفاظتی کمیٹی یا متعلقہ عدالت کو پیشگی اطلاع دے گا، گھر سے بے دخل نہیں کرے گا، تاکہ دونوں فریق ایک دوسرے سے دوبارہ مانوس ہونے کے مواقع پا سکیں۔ فریقین یا اُن کے خاندانوں کے سرپرستوں سے اس سلسلے میں ضمانت کی اگر عدالت ضرورت سمجھتی ہو تو یہ عہد لیا جا سکتا ہے۔

اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ فریقین کے خاندانوں کے درمیان ثالثی کی کوشش متعلقہ علاقہ ناظم اور علما کی سرکردگی میں کی جائے۔ ''متاثر فریق کو سرکاری پناہ گاہوں میں بھیجنا ان اقدامات کی ناکامی کی صورت میں آخری حل ہوگا۔''

- سیکشن ۱۸: جھوٹی درخواست جمع کرانے والے پر جرمانہ کی حد کم از کم ۲ لاکھ مع ۳ ماہ قید کی سزا لاگو ہو، تاکہ جھوٹی درخواست بازی ختم ہو۔